مفتی محمد عمیر

اسلام کا نظام عدل

اسلامی قانون کی ابتدا اور اس کا آغاز اس طرح نہیں ہوا، جس طرح کہ رواجی قوانین کی ابتدا ہوئی اور نہ ہی اسلامی قانون کو اُن راہوں اور شاہراہوں سے گزرنا پڑا، جن راہوں سے تمام وضعی قوانین گزرے ہیں، اسلامی قانون میں ایسا نہیں تھا کہ شروع میں تھوڑے سے قواعد بنے اور پھر ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہو بلکہ جس وقت شریعت اسلامیہ کو ملاء اعلیٰ سے سید الملائکہ جبرئیل امین کی معرفت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل کیا گیا، اس وقت بھی یہ شریعت کامل، مکمل اور ہر لحاظ سے جامع تھی، جس طرح پیغمبر اسلام جامع تھے اسی طرح وہ قانون بھی جامع تھا، جو قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔ یہ ساری شریعت ۲۳ سال کے ایک مختصر عرصے میں نازل ہوئی اور پھر آخر میں فرمادیا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ:۳)

اس قانون اسلامی کی جامعیت اور کاملیت کا یہ عالم ہے کہ یہ کسی ایک ریاست، ایک خطہ زمین، ایک قوم، ایک وطن کیلئے نہیں، بلکہ یہ ہر خاندان، ہر قبیلے، ہر ریاست، ہر وطن اور ہر رنگ ونسل کیلئے ہے، کیونکہ یہ اس ہستی کا وضع کردہ ہے جو رب العالمین ہے۔

قانون یا تو اللہ تعالیٰ کا ہوگا یا کسی انسان کا، لیکن ایک عادلانہ قانون کے بنانے والے میں مندرجہ ذیل چار اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) علم ومحیط (۲) رحمت کاملہ (۳) قدرت تامہ (۴) غیر جانبداری

علم محیط: اس لیے ضروری ہے کہ وہ انسانی حقوق کے ہر پہلو کا علم رکھتا ہو اور انسانی فوائد اور حقوق کے متعلق اس کی انسان کے تمام ادوار حیات پر نظر ہو، یعنی دنیا، قبر اور آخرت تا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ ایک دور کیلئے درست ہو اور باقی ادوار کیلئے غلط اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فیصلہ انسان کے انفرادی نتائج کے لحاظ سے بھی درست ہو اور اجتماعی لحاظ سے بھی، ظاہری نتائج کے لحاظ سے بھی درست ہو اور گہرے اور عمیق نتائج کے لحاظ

---

* اشاعتی امراوتی استاذ جامعہ اکل کوا

سے بھی، مثال کے طور پر اگر انسان سود کے جواز اور رضا مندی کے ساتھ زنا اور ہم جنس پرستی کے جواز کا قانون بنائے، جیسا کہ یورپ اور امریکہ میں ہے تو اس میں شخصی آزادی کے خوش نما جذبے کا تو لحاظ رکھا گیا، لیکن ان سب میں سوسائٹی اور معاشرے کے اجتماعی ضرر کا لحاظ نہیں رکھا گیا، اسی طرح سود کے عمیق نتائج یعنی حرص وہوس میں اضافہ، انسانی ہمدردی کا فقدان اور زنا، ہم جنس پرستی سے صحت انسانی اور عملی قوتوں کی کمزوری کی مضرتوں کو یک قلم نظر انداز کیا گیا ہے۔ نیز قبر و آخرت میں جو اُن پر عذاب ہوگا اس کو بھی پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔

رحمت کاملہ:

اس لیے ضروری ہے کہ عادلانہ قانون کی تدوین کے وقت غفلت نہ کی جائے اور دیدہ و دانستہ قانون میں ایسے اجزا اور ایسی شقیں شامل نہ کر دی جائیں، جو انصاف کے تقاضوں کو پورا نہ کرتی ہوں۔

قدرت تامہ:

اس لیے ضروری ہے کہ وہ کسی دباؤ میں آ کر عدل و انصاف کی شاہراہ سے انحراف نہ کر دے یا مجرم کو سزا دینے میں کمزوری نہ دکھائے۔

غیر جانبداری:

اس لیے ضروری ہے کہ وہ ہم وطن، ہم قوم، ہم رنگ اور ہم زبان لوگوں کی طرف داری نہ کرے اور قانون سازی میں ان کی رعایت کر کے اوروں کو نقصان نہ پہنچائے، جیسا کہ امریکہ اور یورپ میں ان دنوں ہو رہا ہے۔

یہ چاروں صفات جو ایک عادلانہ قانون کی تشکیل کیلئے ضروری ہیں وہ صرف اور صرف ذات خداوندی میں موجود ہیں، نہ اس کے برابر کسی کا علم محیط ہے اور نہ ہی اس کے برابر کسی کی رحمت، نہ اس کے برابر کسی کی قدرت ہے کہ کسی سے دب کر قانون بنانے میں اس کی رعایت کرے یا مجرم کی سزا میں کسی سے ڈرے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے، جو غیر جانب دار ہے نہ وہ کسی کے ساتھ قومیت یا وطن میں شریک ہے کہ ہم قوم اور ہم وطن لوگوں کی رعایت کرے، نہ وہ کسی کا ہم رنگ اور ہم زبان ہے، بلکہ وہ تو ایک ایسی ذات ہے جو لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ اور لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ہے، نہ اس کی نسل ہے اور نہ کسی سے شرکت، اسی لیے عادلانہ قانون، جو ایک انسان کا فطری حق ہے، وہ فقط اُسی کی ذات کے ساتھ مختص ہے، علامہ اقبالؒ نے بالکل ہی درست کہا ہے......

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ انسانی حقوق کے متعلق قانون خداوندی کے سوا کسی انسانی قانون کی حکمرانی جاہلیت کی حکمرانی ہے: اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (المائدۃ: ۵۰) کیا وہ لوگ انسانوں کے جاہلانہ قانون طلب کرتے ہیں، بھلا اللہ سے بہتر قانون کس کا ہوسکتا ہے، اس قوم کیلئے جو حقیقت پر یقین رکھتی ہو؟

جب یہ خدا کا بنایا قانون ہے تو جس طرح خدا کے کاموں جیسا کام کوئی نہیں کرسکتا، ایسے ہی خدا کے قانون جیسا کوئی قانون بھی نہیں بنا سکتا۔ جو ہر طبقہ، ہر علاقہ، ہر خطہ زمین اور ہر زمانے کیلئے کارآمد اور مفید ہے، نہ اس میں کوئی ترمیم ہوسکتی ہے اور نہ ہی تنسیخ، کیوں کہ وہ اللہ کا قانون اور اللہ کا کلام ہے، اس لیے وہ دوسرے تمام رواجی قوانین کے مقابلے میں باوقعت بھی ہے اور باعظمت بھی۔ وجہ یہ ہے کہ کسی کلام یا قانون کی وقعت وعظمت کیلئے چند چیزوں کا ہونا ضروری ہے، جس کلام یا قانون میں یہ چیزیں موجود ہوں گی وہ کلام اور قانون عظیم ہوگا۔

باوقعت اور باعظمت قانون کیلئے ضروری چیزیں

(۱) ان میں سب سے پہلی شے علم وفضل ہے۔ اگر متکلم عالم وفاضل ہوگا، تو اس کا کلام بھی بلند وبرتر اور فصیح وبلیغ ہوگا اور اگر متکلم جاہل واحمق ہوگا تو اس کے کلام میں بھی جہالت وحماقت ہوگی اور آدمی اس کے کلام کو سن کر ہی یہ کہہ دے گا کہ یہ کسی جاہل اور احمق کا کلام ہے، اس سے یہ پتہ چلا کہ کسی کلام کے عظیم اور فصیح وبلیغ ہونے کیلئے پہلی چیز علم ہے۔

(۲) دوسری شے دانش وفہم ہے کیوں کہ علم کیلئے عاقل ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اس کا کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو، اگر عقل ودانش اور فہم وفراست نہ ہوگی تو کلام ناقص اور غیر مؤثر ہوگا۔

(۳) تیسری شے منصب اور مقام ہے، کلام کرنے والا اگر عظیم منصب پر فائز ہے، صاحب حیثیت و منصب ہے تو اس کے کلام کا ایک ایک لفظ نپا تلا ہوگا اور مقتضائے حال کے مطابق ہوگا اور سننے والے کے دل پر اثر بھی ہوگا اور اس کی وقعت بھی پیدا ہوگی کیوں کہ کلام کسی بھی شخص کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

جب یہ بات مسلم ہے کہ جس شخص کا علم جتنا بڑا ہوگا اتنا ہی اس کا کلام بھی بڑا ہوگا اور جس قدر کسی کا منصب بلند ہوگا اس کا کلام بھی اتنا ہی بلند ہوگا، اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو حق تعالیٰ شانہ کی ذات ہر

لحاظ سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے، علم ان کا لامحدود، ہر غیب و حاضر کا جاننے والا، وہ جس طرح بادل کی گرج کو سنتا ہے اسی طرح زمین کی تہہ میں چکنے پتھر پر جو چیونٹی چل رہی ہے، اس کے رینگنے کی آواز کو بھی سنتا ہے، پھر وہ سمیع و بصیر ہے، علیم بذات الصدور ہے۔ یعنی دلوں کے مخفی رازوں کو بھی جاننے والا ہے، اسلئے اس کا کلام بھی ظاہر و باطن کے لحاظ سے جامع ترین اور عظیم ترین ہوگا اس میں ہر لحاظ سے جامعیت ہوگی، فصاحت بھی اعلیٰ، بلاغت بھی اعلیٰ اور بداعت بھی اعلیٰ ترین ہوگی اور ایسی ہوگی کہ اس کی نہ کوئی حد ہوگی اور نہ انتہا۔ انسانی کلام کتنا ہی فصیح و بلیغ اور اعلیٰ قسم کا کیوں نہ ہو لیکن اس سے بہتر ممکن ہوسکتا ہے، کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ اس سے بہتر فصیح و بلیغ انسان پیدا ہو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے جو کلام فرمایا ہے اس سے بہتر ہو ممکن ہی نہیں، کیونکہ نہ خدا کی نظیر ہے اور نہ ہی اس کے کلام کی کوئی مثال۔ اس لیے فرمایا لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ یعنی اس کے کلام کا کوئی مثل نہیں لاسکتا، اس لیے کہ اس کی ذات وصفات کا کوئی مثل موجود نہیں۔

شریعتِ اسلامیہ اور وضعی قوانین میں تقابل

شریعت اسلامیہ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بنایا ہے کہ اس پر زمانے کے تغیرات اور نشیب و فراز کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اس پر قدامت اور کہنگی کے کوئی آثار طاری نہیں ہوتے، شریعت اسلامیہ کی دفعات میں اس قدر عمومیت اور لچک موجود ہے کہ وہ ہر ممکنہ صورت اور حالت میں نافذ ہوسکتی ہے اور رواجی قوانین کے مقابلے میں شریعت اسلامیہ میں کوئی تغیر و تبدل اور اس کی دفعات میں ترمیم کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی، چنانچہ شریعت اور رواجی قوانین میں بنیادی فرق یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے کیونکہ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ’’اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں لیکن اس کے برعکس رواجی قوانین وقتی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں شریعت اسلامیہ اپنے نزول کے وقت ہی سے تمام جدید ترین نظریات کی حامل رہی ہے، جب کہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین ایک زمانہ گزرنے کے بعد بھی وہاں تک نہیں پہنچ پاتے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ شریعت اسلامیہ اور رواجی قانون میں باہم کوئی مماثلت نہیں ہے اور نہ ہی یہ دونوں مساوی درجے کی چیزیں ہیں۔

قانون چونکہ کہ انسانوں کا ایجاد کردہ ہے، جب کہ شریعت اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے، اس لیے شریعت اور قانون دونوں ہی میں اپنے خالق کی صفات نمایاں ہیں، قانون چونکہ انسان کا بنایا ہوا ہے اور انسان عاز و درماندہ ہے، اسلئے اس کے بنائے ہوئے قانون میں نقص، عجز، ضعف اور قلت فہم کی منفی صفات

موجود ہیں اور رہیں گی، اسی وجہ سے انسان کا وضع کردہ قانون ہمہ وقت ترمیم و تبدیلی سے دو چار ہوتا رہتا ہے، پھر یہ چاہے جتنا بھی باکمال بن جائے پھر بھی یہ مستقبل کے پردوں میں نہیں جھانک سکتا، اس کے مقابلے میں شریعت کا خالق خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے اور خالق کائنات تمام صفات میں باکمال ہے۔

اس لیے اس میں خالق کائنات کی قدرت کمال اور عظمت کی جھلک نظر آتی ہے، کوئی کمزور اور عجز وضعف اس میں دکھائی نہیں دیتا، پھر اس میں ماضی اور مستقبل کے تمام ممکنات پر محیط علم کی روشنی موجود ہے اور وہ ماضی حال اور مستقبل کے تمام مسائل اور معاملات کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اس لیے اس میں نہ تو کوئی ترمیم ہوسکتی ہے اور نہ ہی کوئی تبدیلی کا امکان ہے۔

اس سلسلے میں دوسری بات یہ ذہن میں رکھیں کہ قانون ان وقتی قواعد کا مجموعہ ہوتا ہے، جو ایک سوسائٹی اپنے مسائل کی تنظیم اور اپنی ضروریات کی تکمیل کیلئے خود مقرر کرتی ہے۔

اس لیے کہ یہ قواعد اس معاشرہ کے پیش رو نہیں بلکہ پیرو ہوتے ہیں یا اس معیار کے ہوتے ہیں، جس معیار کا وہ معاشرہ یا سوسائٹی ہوتی ہے لیکن جوں جوں وقت گذرتا ہے اور حال ماضی بن جاتا ہے تو مستقبل میں یہ قواعد پھر سوسائٹی کے معیار سے پیچھے رہ جاتے ہیں، کیوں کہ معاشرہ کی اقدار کہنہ اور (Out of Date) از کار رفتہ ہوجاتی ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ معاشرہ، جس تیزی کے ساتھ ارتقا پذیر ہوتا ہے، قوانین اسی سرعت اور تیزی کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتے، اس سے یہ پتہ چلا کہ قانون ایسے قواعد اور رسوم کا مجموعہ ہوتا ہے، جو وقتی طور پر معاشرہ کے حالات سے ہم آہنگ ہوتے ہیں اور جونہی معاشرہ میں کوئی تغیر یا تبدیلی آتی ہے تو اس قانون میں تبدیلی بھی ناگزیر اور ضروری ہوجاتی ہے۔

اس کے برعکس اسلامی قانون ایسے قواعد کا مجموعہ ہوتا ہے، جنہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیشہ کیلئے معاشرہ کی تنظیم کیلئے مقرر فرمایا ہے اور اس کے قواعد دائمی اور ناقابل تغیر ہیں۔ یہ امتیازی خصوصیت شریعت اسلامیہ کے سوا اور کسی قانون میں نہیں، شریعت اسلامیہ کے قواعد اور اس کی دفعات اس قدر عموییں آور اور لچک دار ہوتی ہیں کہ یہ قواعد و دفعات ہر آنے والے دور میں، معاشرے کے ارتقا کی ہر صورت میں بدلتے ہوئے حالات میں اور تمام متنوع ضروریات میں معاشرے کے تمام پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں شریعت اسلامیہ کے قواعد اور دفعات میں پہلے ہی سے اس قدر ارتقائی کیفیات ہوتی ہیں کہ کسی بھی وقت اور کسی بھی دور میں وہ معاشرے کے معیار سے فروتر نہیں ہوتیں، انہیں محاسن کی وجہ سے شریعت اسلامیہ کو تمام آسمانی شریعتوں اور تمام دنیوی قوانین پر فوقیت حاصل ہے۔

ان تیرہ صدیوں میں انسانی معاشرے کے سماجی حالات کئی بار تبدیل ہو چکے، افکار و خیالات میں زبردست تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں اور ایسے نئے نئے علوم اور نت نئی ایجادات معرض وجود میں آ چکی ہیں، لیکن اب بھی شریعت اسلامیہ کے قواعد و ضوابط انسانی معاشروں کے معیارات سے کہیں بلند و بالا ہیں اور انسانی مسائل کے حل میں مختلف جدید قوانین سے کہیں زیادہ مفید، انسانی طبیعتوں سے زیادہ قریب اور انسانی امن وسکون کے زیادہ ضامن ہیں۔

اس سلسلے میں تیسری بات یہ ہے کہ معاشرہ اور سوسائٹی قانون بناتی ہے اور اسے اپنی عادات، روایات اور تاریخ کے رنگ میں رنگ لیتی ہے، گویا یہ قانون معاشرہ کی تنظیم کیلئے ہوتا ہے، معاشرہ کی رہنمائی کیلئے نہیں، اس لیے قانون معاشرے کے ارتقا سے پیچھے رہ جاتا ہے، کیونکہ معاشرہ ترقی کرتا رہتا ہے اور قانون اس کی ترقی کے تابع ہوتا ہے، اس لیے کہ قانون معاشرہ کا بنایا ہوا ہے، معاشرہ قانون کا بنایا ہوا نہیں۔

ابتدا ہی سے قانون کی یہی بنیاد چلی آ رہی ہے، اس کے مقابلے میں شریعت اسلامیہ کسی انسانی جماعت اور معاشرے کی ایجاد نہیں ہے اور نہ وہ قانون کی طرح معاشرے کے ارتقا کے تابع ہے، بلکہ شریعت اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے، وہ اللہ جس نے اپنی ہر تخلیق کو نہایت مضبوط مستحکم طریقہ پر پیدا کیا ہے۔

مختصر یہ کہ مسلمانوں کو جب اللہ تعالیٰ نے حکومت کی نعمت سے نوازا تو انہوں نے جرم وسزا سے متعلق ایسا شاندار نظام دنیا میں روشناس کرایا کہ دنیا آج تک اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اسلام کا بے مثال قانون جرم وسزا

(۱) چوری: چوری کیا ہے؟ فقہا کے نزدیک چوری کی تعریف یوں ہے کہ کسی عاقل و بالغ کا خفیہ طور پر کس شبہ کے بغیر کسی دوسرے شخص کا ایسا مال لے لینا، جو ہاتھ کاٹنے کے نصاب کے برابر ہو اور وہ مال کسی محفوظ جگہ میں ہو، مالیت رکھتا ہو اور جلدی خراب ہو جانے والا نہ ہو۔

چوری کی سزا اس آیت میں صراحتاً ہے وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (المائدہ: ۳۸) ”اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، ان کے کرتوتوں کے عوض میں اور اللہ کی طرف سے بہ طور عبرتناک سزا کے۔

موجودہ قوانین میں چوری کی سزا صرف قید ہے جو ہر جرم کے بارے میں عموماً اور چوری کے بارے میں خصوصاً، ایک ناکام سزا ہے وجہ یہ ہے کہ سزائے قید میں چور کے دل میں وہ نفسیاتی عوامل پیدا نہیں ہوتے، جو اسے جرم سے باز رکھ سکیں، کیوں کہ سزائے قید مجرم اور اس کے عوامل کسب میں صرف مدت سزا

تک حارج ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ جیل میں اسے کسب کی ضرورت نہیں ہے۔

وہاں تو حکومت کی طرف سے اس کی ساری ضروریات پوری کی جاتی ہیں، رہائی کے بعد پھر اسے کمانے اور اپنی دولت میں اضافہ کرنے کے مواقع مل جائیں گے، اسے پھر چھوٹ مل جائے گی کہ وہ اپنی دولت حلال طریقے سے کمائے یا حرام طریقے سے، کیونکہ وہ لوگوں کے سامنے ایک شریف انسان کی صورت میں ظاہر ہو کر انہیں دھوکہ دے گا اور لوگ اس کا تعاون کریں گے، لیکن سزائے قطع ید سے چور کی قوت عمل و کسب ختم ہو جاتی ہے یا کم از کم اس میں شدید کمی واقع ہو جاتی ہے۔

(۲) زنا اور اس کی سزا: احنافؒ کے نزدیک زنا کی تعریف یہ ہے کہ ایسی زندہ عورت کیساتھ رحم کی جانب سے مجامعت کرنا جو ملک اور نکاح میں نہ ہو اور نہ اس کے ملک اور نکاح میں ہونے کا شبہ ہو اور عورت زانیہ اس وقت دمار ہوگی، جب کہ وہ رضا کی حالت میں مرد کو اپنے ساتھ اس فعل کا ارتکاب کرنے دے۔

اگر زنا کرنے والا مرد یا عورت کنوارا یا کنواری ہوں تو ان کیلئے دو سزائیں حدیث میں آئی ہیں:

(۱) سو کوڑے (۲) جلاوطنی

سو کوڑے تو حد ہے، اس میں کسی بھی صورت میں کمی بیشی یا ردوبدل نہیں ہوسکتا، البتہ جلاوطنی کی سزا قاضی کی رائے پر موقوف ہے، اگر وہ مناسب سمجھے تو شہر بدر کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔ اور اگر زانی شادی شدہ ہے تو اس کی سزا رجم (سنگ سار کرنا) ہے۔

شریعت اسلامیہ زنا پر اس لحاظ سے سزا دیتی ہے کہ زنا سماجی وجود اور معاشرتی سلامتی پر اثر انداز ہوتا ہے اور یہ کہ خاندانی نظام کو نہایت بری طرح مجروح کر دیتا ہے، حالانکہ خاندان ہی وہ بنیاد ہے، جس پر معاشرہ استوار ہوتا ہے، اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ معاشرے کے مضبوط پیوست اور ہم آہنگ رہنے کی بہت زیادہ متمنی ہے۔

اور جدید قوانین میں اگر باہمی رضامندی سے کوئی زنا کرے تو پھر سزا کا کوئی جواز نہیں بلکہ بے معنی ہے، اس لیے کہ زنا ان کے نزدیک شخصی امور میں سے ہے نہ کہ معاشرتی اور سماجی امور سے اور اس کے اثرات صرف افراد کے تعلقات پر مرتب ہوتے ہیں نہ کے سماجی مفادات پر۔

☆ شراب نوشی اور اس کی سزا: طبی اور اجتماعی لحاظ سے یہ ایک مسلم امر ہے کہ شراب ایک بے فائدہ چیز ہے اور اس کے نقصانات بہت زیادہ ہیں، اس سے عقل میں نقصان پیدا ہوتا ہے، صحت خراب ہوتی ہے اور بانجھ پن اور ضعف نسل پیدا ہوتا ہے، شرافت اور مال ضائع ہوتے ہیں۔

اسلام نے اسی وجہ سے چودہ سو سال قبل شراب کو نہ صرف حرام قرار دیا تھا، بلکہ اس کے پینے پر سزا جاری کر دی تھی، اب بیسویں صدی میں دنیا نے یہ گواہی دے دی کہ اسلام حق پر ہے، کیونکہ اب تو سائنس نے بھی یہ بتا دیا ہے کہ شراب ام الخبائث ہے، اس وجہ سے ہر سمجھدار شخص ترک شراب کی دعوت دیتا ہے۔

اسلام نے شراب کو قطعی اور کلی طور پر حرام قرار دیا ہے، اس لیے کہ یہ تمام بدکاریوں اور برائیوں کی جڑ اور بنیاد ہے، اس سے نہ صرف انسانی جان و مال کا ضیاع ہوتا ہے، بلکہ یہ صحت اور عقل کے پامال اور منہدم ہونے کا باعث بھی بنتی ہے، اگر کچھ لوگوں نے شراب کے فوائد بتائے بھی ہیں، تو وہ اس کے نقصانات کے مقابلہ میں اس قدر حقیر اور کم ہیں کہ ان کا شراب کے عظیم نقصانات اور گناہوں کے مقابلہ میں موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

شراب نوشی کی سزا

جب کوئی شراب نوش مکلّف ہو اور اپنی مرضی اور اس بات کو جانتے ہوئے کہ اس کا کثیر نشہ لاتا ہے شراب پیے اور شہادت یا اقرار سے یا کسی اور طریقے سے یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے شراب پی ہے، تو اسے کوڑے مارنا اور اس کی تفسیق کرنا واجب ہے۔

اسی طرح ڈکیتی اور رہزنی کی سزا، ارتداد کی سزا، قتل کی سزا، اسی طرح اجتماعی اور سیاسی جرائم جیسے رشوت وغیرہ لینے پر اسلام نے عادلانہ سزائیں مقرر کی ہیں (اسلام کا نظام عدل: مولف حکیم محمود احمد ظفر)

الغرض اسلام دین فطرت ہے، اس کا نظام خالق کائنات کا بنایا ہوا ہے، بریں بنا اس میں نا انصافی، ظلم و تشدد کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، بظاہر اس کی سزا مجرم کی انفرادی حیثیت سے کچھ سخت لگتی ہے، لیکن اس نتیجہ اور انجام معاشرے کے حق اور جماعت کیلئے کس قدر سکون پیدا کرتا ہے، امن کا ماحول قائم کرتا ہے، یہ تو جہاں یہ نظام صحیح طور پر نافذ ہے، وہاں کے حالات سے اور اسلامی دور کی صحیح تاریخ سے معلوم کیا جا سکتا ہے؟ لیکن یہ نظام ان ہی کو بھائے گا جو امن کے متلاشی ہوں گے، لیکن جو بھیڑ کے لباس میں بھیڑیے ہیں، انہیں یہ نظام کیسے راس آ سکتا ہے؟ یہ تو ان کی ظلم اور درندگی کی جڑ ہی کاٹ ڈالے گا، اسلئے ان درندوں کو اسلامی نظام پسند نہیں اور وہ اس کی خوبیوں کو فریب اور پروپیگنڈہ کے ذریعے خامیوں اور ظلم پر مبنی باور کرانے پر تلے ہیں، جب انہیں حقیقی معنوں میں معاشرے کا علاج مقصود ہی نہیں، تو پھر انہیں اسلامی نظام میں کجی اور کمی نہ ہوتے ہوئے بھی نظر آنا لازمی ہے اور اس صورت میں معاشرے اور پورے عالم میں امن قائم کرنا مشکل ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ شاہراہ علم)